OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
ISSN (Online): 2791-0067
https://aisbbu.com/

نبوی تعلیمات کی روشنی میں تعلیمی نظام کا جائزہ

Review of education system in the light of Prophetic teachings

ڈاکٹر سید باچا آغا، سربراہ شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سریاب روڈ، کوئٹہ
Dr. Syed Bacha Agha, HOD, Govt: Postgraduate College, Saryab road, Quetta
Agha211179@gmail.com
03008388353

لیمہ محمود، ریسرچ سکالر، راحت القلوب ریسرچ اکیڈمی، کوئٹہ
.Layma Mehmood, Research Scholar, Rahat ul Quloob Research Academy, Quetta
lmagha2017@gmail.com

Abstract

Humankind has been granted a special status due to its being vicegerent of Allah on earth for he has been entrusted with the responsibility to keep order in the world according to the directives of its Creator. Humans are guided by Prophets in history. Muhammad (Peace Be Upon Him) is the last Prophet of Allah, for the eternity and whole humanity. Islam is a complete code of life; education and training constituting its crux. Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) was greatly concerned and cognizant of education and training of his followers which is evident from multifarious events of his life. Major emphasis was laid on training coupled with education and both are, thus, inevitably interlocked with each other. It is clear that education was considered an assimilation of knowledge and training was taken as its reflection in daily life. The verses of the Holy Quran and sayings of the Holy Prophet (Peace Be Upon Him) bear a perfect testimony to this aspect of foremost significance.
Keywords: Education System, Prophetic teachings, Muslim Society, code of life.

سیرت پاک ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کے گہرائیوں اور پہنائیوں کا اندازہ بھی شاید ابھی تک دور جدید کے اہل علم نہیں لگا سکے ہیں۔علوم سیرت و سنت (علی صاحبہا الف صلاۃ وتحیۃ) کے جن جن پہلوؤں کا گزشتہ چودہ سو سالوں کے دوران مطالعہ ہوا ہے ان کا سرسری جائزہ لینے کے لئے بھی دفتر درکار ہیں۔ سیرت وسنت کے مختلف پہلوؤں کے علاوہ ان علوم کی برکت سے بہت سے دوسرے علوم پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں کی علمی تاریخ اور تہذیبی ورثہ کو تابناک بنایا بلکہ پوری دنیائے انسانیت کو فیضیاب کیا۔

اسلام کی علمی تاریخ کی ابتدائی صدیاں علوم نبوت کی ضیا پاشیوں سے ایک جہاں کو منور کرتی رہی ہیں، اس نور وضیاء کی جھلکیاں آج ان بے شمار علوم کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ فقہ، اصول فقہ، اسلام کا قانون بین الاقوام، علم تاریخ، علم کلام، علم رجال وطبقات، تذکرہ وسوانح اور ایسے بہت سے علوم وہ ہیں جن کا خمیر علوم حدیث اور مطالعہ سیرت سے اٹھا۔

فکری تشکیل نو اور تہذیبی احیاء کے لئے ہدایت ربانی اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ بنیادیں ہیں جن پر اس عمارت کی تشکیل وتعمیر کی جاسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل سے جب سے احیائے اسلام کے یہ جذبات خفتہ بیدار ہونے شروع ہوئے ہیں، اسی وقت سے مطالعہ قرآن، مطالعہ حدیث وسنت اور مطالعہ سیرت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا ہے۔

نظام تعلیم وتربیت کو مستحکم کرنا اور انسان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا کسی بھی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے اور یہی انسانیت کی پہلی ضرورت بھی ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کی پریکٹیکلی اور تابندہ امثال موجود ہیں۔ تاریخ کے جھروکوں میں دیکھا جائے تو جہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صفہ کے چبوترے پر اصحاب صفہ حصول علم کیلئے زانو تلمذ تہہ کرچکے ہوتے ہیں تو دوسری جانب جنگی قیدیوں کے لئے قید سے آزادی کے بدلے اس وقت کے ان پڑھ صحابہ کو تعلیم دینے کی شرط

CC BY

رکھی جاتی ہے، جس سے تعلیم کی اہمیت اور قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علوم و معارف کا اولین دائرہ:

بنی نوع انسان کے لئے علوم و معارف کا وسیع ترین دائرۃ المعارف یعنی انسائیکلوپیڈیا قرآن کریم ہے۔ یہ حکمت والے رب کا نازل کردہ کتاب ہے، باطل کی یہ مجال نہیں کہ اس پر اثر انداز ہو سکے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔[1]

ترجمہ: اس کے پاس باطل نہیں آسکتا نہ اس کے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے بڑی حکمت والے خوب حمد کئے ہوئے (رب) کا۔

اس عظیم الشان دیوان کو جن حضرات نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درسگاہ میں پڑھا، قرآن کریم کی رہنمائی میں تربیت حاصل کی، اس کی ہدایتوں کو حرز جاں بنایا اور اسے برتر و اعلیٰ مقام دیا وہ صحابہ کرام ہیں۔ اہل ایمان نے تمام علوم قرآن کریم ہی سے حاصل کئے اور دنیا پر چھا گئے۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "الاتقان" کی پینسٹھ ویں نوع میں قرآن مجید سے مستنبط علوم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما فَرَّطْنا فِي الْكِتابِ مِنْ شَيْءٍ۔[2]

ترجمہ: ہم نے الکتاب (قرآن مجید) میں کوئی چیز (بیان کئے بغیر) نہیں چھوڑی۔

اسی کے متعلق ابن جوزی رحمہ اللہ زاد المسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ما فَرَّطْنا فِي الْكِتابِ مِنْ شَيْءٍ، في الكتاب قولان: أحدهما: أنه اللوح المحفوظ، روى ابن أبي طلحة عن ابن عباس: ما تركنا شيئا إلا وقد كتبناه في أم الكتاب، وإلى هذا المعنى ذهب قتادة، وابن زيد. والثاني: أنه القرآن. روى عطاء عن ابن عباس: ما تركنا من شيء إلا وقد بيناه لكم. فعلى هذا يكون من العام الذي أريد به الخاص، فيكون المعنى: ما فرطنا في شيء بكم إليه حاجة إلا وبيناه في الكتاب، إما نصاً، وإما مجملاً، وإما دلالة، كقوله تعالى: وَنَزَّلْنا عَلَيْكَ الْكِتابَ تِبْياناً لِكُلِّ شَيْءٍ، أي: لكل شيء يحتاج إليه في أمر الدين[3].

اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَنَزَّلْنا عَلَيْكَ الْكِتابَ تِبْياناً لِكُلِّ شَيْءٍ۔[4]

ترجمہ: اور ہم نے یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

الا إنها ستكون فتنة، فقلت: ما المخرج منها يا رسول الله؟ قال: كتاب الله فيه نبا ما كان قبلكم، وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم۔ [5]

ترجمہ: عنقریب فتنے برپا ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا ان فتنوں سے نکلنے کا ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی کتاب، اس میں تم سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور آنے والے وقت کی پیش گوئیاں بھی اور حال کے لئے مکمل رہنمائی بھی۔

علوم و معارف کا ثانوی دائرہ:

بنی نوع انسان کے لئے علوم و معارف کے وسیع ترین دائرۃ المعارف یعنی انسائیکلوپیڈیا قرآن کریم کے بعد دوسرے نمبر پر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصداق قرآن کریم ہی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، خود حق تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ۔[6]

ترجمہ: یہ (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ قرآن کریم میں موجود ہے، یا اس کی قریب، بعید اصل قرآن میں پائی جاتی ہے، جس سے سمجھا سمجھا اور جو بے خبر رہا وہ بے خبر رہا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فیصلہ ہے، اس حقیقت کا طالب اپنی کوشش، ہمت اور اپنے فہم و فراست کے بقدر اس تک

رسائی حاصل کرتا ہے۔

حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی حدیث نہیں ملی جس کا مصداق مجھے قرآن کریم میں نہ ملا ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری بیان کردہ ہر حدیث کی تصدیق قرآن کریم میں ہے"۔ [7]

ہم نے بعض متبحر علماء کو یہ کہتے سنا ہے کہ حدیث صحیح کے تمام یا بعض الفاظ یا اس کے مفہوم کو قرآن کریم میں تلاش کرو، یہ آپ کو قرآن کریم میں دستیاب ہوں گے۔ امام ابن مرزوق نے اپنے بعض شیوخ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ بکثرت آیات سے احادیث کے مفاہیم کی تشریح کرتے تھے، انہوں نے ایک بار حدیث مبارکہ " الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ " [۸] (صبر صدمہ کے شروع میں ہوتا ہے) کی قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے نظیر بیان کی:

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ۔ [۹]

ترجمہ: اور صبر کرنے والے تکلیف اور سختی میں اور (کفار سے) لڑائی کے وقت۔

نظام تعلیم کے اجزائے ترکیبی:

اسلامی نظام تعلیم کے اجزائے ترکیبی میرے خیال میں درج ذیل پانچ اجزاء پر مشتمل ہیں:

۱: تلقین: یعنی وعظ و نصیحت کے ذریعے سے مسلمانوں کی تربیت کرنا۔

۲: تدریس: یعنی نظام تعلیم میں درس و تدریس کا عمل۔

۳: تربیت: یعنی متعلم میں اخلاق حسنہ پیدا کرنا اور بری عادتیں چھڑانا۔

۴: تادیب: یعنی آداب معاشرت سکھانا اور متعلم میں سلیقہ مندی پیدا کرنا۔

۵: تدریب: یعنی متعلم سے مشق و ریاضت کرانا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اسلامی نظام تعلیم میں تلقین بھی ہے اور تدریس بھی۔ یہ اخلاق و کردار سنوارنے کا عمل بھی ہے اور رذائل اخلاق سے پاک کرنے کا عمل بھی، پھر اس میں بدن کی چستی و پھرتی بھی شامل ہے۔ آداب و اطوار بھی اس کا حصہ ہیں۔ گویا انتقال علمی کے ساتھ ساتھ اور بہت سارے اجزاء اس میں شامل ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم اپنے اجزائے ترکیبی کی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے دنیا کے ہر نظام تعلیم سے زیادہ جامع اور برتر ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کے اجزائے ترکیبی دعاء ابراہیمؑ میں مختصر اور جامع انداز میں موجود ہیں، جس میں رب العالمین سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عرض داشت کی گئی تھی۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ [۱۰]

ترجمہ: اے پروردگار انہی میں سے رسول مبعوث فرمایئے جو انہیں آپ کی آیات پڑھ کر سنائے اور ان کا تزکیہ نفس کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

اس آیت قرآنی کی رو سے اسلامی نظام تعلیم کے اجزائے ترکیبی یا عمومی مقاصد درج ذیل سامنے آتے ہیں:

۱: تلاوت آیات

۲: تعلیم کتاب

۳: تعلیم حکمت

۴: تزکیہ نفس

اسلام اور علم و حکمت لازم و ملزوم ہیں، چنانچہ قرآن حکیم زندگی کی قدر اعلیٰ حکمت (خیر اکثیرا) ہی کو قرار دیتا ہے، لہذا ارشاد خداوندی ہے کہ:

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ [11]

ترجمہ: اور جسے حکمت دی جائے تو بیشک اسے بہت زیادہ بھلائی (خیر اکثیرا) مل گئی۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمت کو مرد مؤمن کی "متاع گم شدہ" بتایا ہے۔ کوئی حقیقی علم یعنی سچائی یا صداقت اسلام کے خلاف نہیں جاسکتی، کیونکہ اسلام بھی صداقت ہے اور صداقت غیر منقسم ہے، اس کی ایک سے زیادہ قسمیں یا ایک سے زیادہ حصے نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، خدا سچ ہے، لہذا صداقت خود خدا کا علم ہے اور چونکہ خدا ایک ہے، صداقت بھی ایک ہی ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شخص کافر ہو یا مسلمان، کوئی علمی صداقت ایسی دریافت نہیں کر سکتا جو اسلام کی تائید نہ کرتی ہو اور جس کی تائید اسلام نہ کرتا ہو، یہی سبب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

الكلمة الحكمة ضالة المؤمن ،حيثما وجدها،فهو احق بها۔[12]

ترجمہ: حکمت ودانائی کی بات مؤمن کی گمشدہ سرمایہ ہے، جہاں بھی اس کو پائے وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متبعین پر حصول علم کو ایک ایجابی فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ترغیب وتشویق کا نتیجہ تھا کہ وہ قوم جس کا وصف امتیازی قبل از اسلام "جاهلية" تھا، مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مشرق ومغرب کے علمی خزانوں کی وارث بن گئی۔

نظام تعلیم کے بنیادی مقاصد:

ہر نظام تعلیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس نظریہ زندگی کے ماتحت وہ وجود میں آیا ہے اس کی محبت کی نقطہ کمال پر پہنچائے اور دوسرے مخالف تصورات کی محبت کو کلیتاً مٹادے۔ تعلیمی عمل کے دو پہلو ہیں، ایک کسی مخصوص تصور کی محبت کو ترقی دینا اور دوسرا اس کے مخالف تصورات کی محبت کو مٹانا اور یہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے لئے مؤید ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ اگر ہم ایک کو نظرانداز کریں تو دوسرا خود بخود نظرانداز ہو جاتا ہے۔ مخالف تصورات کی محبت کا کم ہونا اور موافق تصورات کی محبت کا ترقی کرنا ایک ساتھ اور بیک وقت عمل میں آتا ہے، جس طرح سے ترازو کے ایک پلڑے کے اوپر اٹھنے سے دوسرا پلڑا خود بخود نیچے گرتا ہے، جس قدر مخالف تصورات کی محبت کم ہوگی اسی قدر موافق تصورات کی محبت ترقی کرے گی اور اس کے برعکس جس قدر مخالف تصورات کی محبت زیادہ ہوگی، اسی قدر موافق تصورات کی محبت کم ہوگی۔ جب تک ہمارے ہر فرد کے دل میں اس کے اپنے نظریہ زندگی کی محبت کمال کے اسی نقطہ پر نہ پہنچ جائے جو اس کی فطرتی صلاحیتوں نے مقرر کر رکھا ہے، اس وقت تک ہم دوسرے تصورات اور اعتقادات کو اپنی محبت میں شریک کرتے رہیں گے اور اس وقت تک کمزور اور غیر متحد اور غیر منظم رہیں گے[13]، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم واصبروا۔[١٤]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں مخالفت نہ کرو، ورنہ تم ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا نکل جائے گی، صبر سے کام لو۔

ان حقائق کی بناء پر ضروری ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اس قسم کا ہو، جس سے نہ صرف طالب علم کے دل میں صحیح تصور کی محبت نشوونما پائے بلکہ جس کے ماتحت غلط اور مخالف تصورات کی محبت کا فروغ ناممکن ہو جائے۔

مختلف معاشروں میں تعلیم کے بنیادی مقاصد مختلف ہیں۔ اس کی بنیاد خدا، اقدار، اور معاشرے کی ضروریات کے تصور پر ہوتی ہے، تاہم یہ تین اقدار کا مجموعہ ہوتی ہے: سچائی، حسن اور کار خیر۔

اسلامی نقطہ نظر سے نظام تعلیم کے بنیادی مقاصد وہ ہیں جو ایک انسان میں درج ذیل خصوصیات پیدا کریں:

١: اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت

٢: اسلامی اقدار کا تحفظ

٣: ذات اور کائنات کا فہم

٤: تشخیص نفسی اور کردار سازی

۵: اچھی زندگی بنانے کا علم

ان مقاصد کی رہنمائی میں ایک صالح نصاب تشکیل دیا جاسکتا ہے جو درج ذیل معیاری کام سرانجام دے سکتا ہے:

ا: تعلیمی عمل کی سمت مقرر کرنے کے ساتھ استاد کے کردار کا تعین کرتے ہیں۔

۲: طلبہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ اپنے تجربے کی نوعیت اور سمت کا تعین کریں۔

۳: استاد کو تعلیمی عمل کی جانچ کی کسوٹی فراہم کرتے ہیں۔

۴: انفرادی واجتماعی ضروریات اور ملک کے لوگوں کی تعلیمی خواہشات کو پورا کرنا۔

۵: ہر فرد کو تیار کرنا کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق سود مند زندگی بسر کرے۔

۶: ریاست کے عوام میں اتحاد پیدا کرکے ان میں قومی جذبے کو فروغ دیں۔

۷: اسلام کے تصور انصاف اور بھائی چارے کے مطابق ایک حقیقی فلاحی ریاست کی تخلیق کرے۔

۸: ملک میں سائنس دانوں، انجینیئروں اور ہنرمندوں کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو پوری کرے۔

غرض یہ کہ نظام تعلیم میں مقاصد تعلیم کا معاملہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ خود تہذیب۔ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں اسے مختلف انداز میں دیکھا گیا ہے۔ ایک اسلامی نظام تعلیم اپنی مقاصد میں یہ مد نظر رکھتا ہے کہ لوگوں کو اسلام سے مکمل آشنا کرکے انہیں ایک مکمل اور جامع اسلامی طرز زندگی کے لئے تیار کریں۔ انہیں زندگی کا مطلب اور مقصد، دنیا میں انسان کا مقام، توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد، اخلاق کی اسلامی اقدار اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں بتائی جائیں۔ نظام تعلیم انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ اسلامی اقدار کی روشنی میں اپنے راستے کا انتخاب کرسکیں۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے جب پورے تعلیمی نظام میں اسلامی روح پھونک دی جائے۔

حصول علم کی کیفیت اور مسجد نبوی کے حلقے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف فرما ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حلقے بنا کر بیٹھتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حصول علم، قرات قرآن اور ذکر وغیرہ کے لئے مسجد میں ایسے حلقے قائم کرنا جائز ہے، اگرچہ بعض لوگوں کی پیٹھ قبلہ کی جانب ہو رہی ہو۔ حدیث میں ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: دونوں خیر پر ہیں، ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے، اس مجلس والے اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اللہ کی طرف راغب ہیں، وہ چاہے ان کو عطاء فرمائے اور چاہے منع فرمادے۔ اور یہ (دوسری مجلس والے) فقہ اور علم سیکھ رہے ہیں اور بے علموں کو سکھا رہے ہیں یہ افضل ہیں اور مجھے معلم (سکھانے والا) مبعوث کیا گیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مجلس میں بیٹھ گئے۔[15]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی حجرہ سے باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں داخل ہو کر دو حلقے ملاحظہ فرمائے، ایک حلقے والے قرآن کریم کی تلاوت اور اللہ تعالی سے دعا میں مشغول تھے، اور دوسرے حلقے والے تعلیم وتعلم میں مصروف تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب بھلائی پر ہیں، یہ قرآن کریم کی تلاوت اور اللہ تعالی سے دعا میں مشغول ہیں، وہ چاہے ان کو عطاء فرمائے، چاہے تو منع فرمادے، اور یہ تعلیم وتعلم (سیکھنے سکھانے) میں مصروف ہیں، میں تو معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔[16]

البتہ دنیاوی امور کے لئے مسجد میں حلقے بنانا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ: آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مساجد میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے ان کی غرض دنیا ہو گی، تم ان کے پاس نہ بیٹھنا کیونکہ اللہ تعالی کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ مسند احمد میں حضرت جابر رضی

اللہ عنہ سے مروی حدیث اسی مفہوم کی حامل ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، صحابہ حلقے بنا کر بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں تمہارے الگ الگ گروپ دیکھ رہا ہوں"۔[17]

اہل فضل وصاحب الرائے سے مسائل کا حل:

دور رسالت وخلفاء راشدین میں ہمیں یہ بات بڑی وضاحت سے ملتی ہے کہ مسائل ومشکلات اور حوادث وغیرہ میں مشاورت اور حل کیلئے علمی کمال وتبحر اور فضیلت رکھنے والے صحابی، تابعی اور تبع تابعی کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَدْرِي مَا قَدْرُ بَقَائِي فِيكُمْ فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ عَمَّارٍ وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ۔[۱۸]

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے درمیان کتنا عرصہ رہوں گا میرے بعد ان کی پیروی کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ فرمایا اور عمار کے طریقے کو مضبوطی سے تھامو اور ابن مسعود تم سے جو بات بیان کریں اس کی تصدیق کیا کرو۔

خلفاء اربعہ کی تفضل میں اولیٰ اور عمدہ بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مشہور وصف کی بدولت دوسرے حضرات سے افضل ہے، کیونکہ انسانی فضیلت کا تعلق اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے وصف کے اعتبار سے ہوتا ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صدق میں شہرت کے اعتبار سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدل کے اعتبار سے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حیاء کے اعتبار سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ علم کے اعتبار سے دوسروں سے افضل ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف ایک فضیلت ان کے ذاتی شرف یا رسوخ کی وجہ سے کثیر التعداد فضائل پر بھاری ہو۔ بہر حال ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دینی وشرعی مسائل کے متعلق ہمیشہ علمی کمال وتبحر اور فضیلت رکھنے والے علماء سے رجوع کیا کرنا چاہیئے تاکہ مثبت اور راسخ حل سامنے آئے اور بعد میں خفت نہ اٹھانا پڑے۔

حصول علم میں اکتاہٹ سے اجتناب:

حصول علم میں اکتاہٹ وہ چیز ہے جو طالبعلم کو متنفر کردیتا ہے اور بعض اوقات طلبہ اس علم کے حصول کو اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتے ہیں، جوکہ انتہائی خطرناک ہے۔

عن ابن مسعود قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة فى الايام كراهة السامة علينا۔[۱۹]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے اکتاجانے کے خدشہ سے ہمیں نصیحت فرمانے کے لئے کچھ دن مقرر کئے تھے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

يسروا ولا تعسروا ، وبشروا ولا تنفروا۔[۲۰]

ترجمہ: آسانی کرو تنگی نہ کرو، خوش خبری دو اور متنفر نہ کرو۔

بہر حال اس بحث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اکتاہٹ کے خدشہ کے پیش نظر کسی عمل میں مداومت کی کوشش کو ترک کرنا مستحب ہے، اگرچہ مداومت مطلوب ہو، لیکن اس کی دو قسمیں ہیں:

۱: بغیر کسی تکلیف کے ہر روز ایسا کرنا

۲: یا ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن وہ عمل کرنا۔

اس طرح وقفے کا دن راحت کا دن ہوگا اور دوسرے دن کا خوشی سے استقبال ہوگا، یا پھر ہفتہ میں ایک دن مقرر کیا جائے۔ بہر حال اس کا تعلق حالات اور اشخاص سے ہے۔ اصل ضابطہ یہ ہے کہ ضرورت بھی پوری ہو اور طلبہ تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ خوش دلی سے درس میں شرکت کریں۔

عمر کے تفاوت کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا:

اگرچہ حصول علم کے لئے یہ بات مشہور ہے کہ بچپن کی تعلیم پتھر میں نقش کی طرح ہے لیکن دوسری
طرف ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ بڑھاپے، ادھیڑ عمری اور آغاز شباب میں مسلمان ہوئے، وہ قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کر کے علم کے سمندر اور حکمت وفقہ کے پہاڑ بنے ہیں، البتہ یہ الگ بات ہے کہ نوعمری میں علم کے اصول اور فروع میں زیادہ رسوخ ومہارت حاصل ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے علم سیکھا حالانکہ وہ عمر رسیدہ تھے"[21]۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ بڑی عمر والوں کی تعلیم صغیر السن لوگوں سے زیادہ پختہ ہوتی ہے۔ عمر رسیدہ یہ نہ کہے مجھے چونکہ یاد نہیں رہتا، سو میں تعلیم حاصل نہیں کروں گا، کیونکہ صحابہ کرام نے جوانی، بڑھاپے اور ادھیڑ عمری میں علم حاصل کیا، اور وہ علم کے سمندر بھی بنے۔

لہذا اس بحث سے نظام تعلیم کے اندر "تعلیم بالغاں" کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ دور حاضر میں بھی اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ناخواندہ بڑوں کے لئے بھی ایسا نظام تعلیم ترتیب دیں جن سے وہ وقتاً فوقتاً ہمارے بڑے بوڑھے بھی فیضیاب ہوں۔

نظام واحکام برائے تعلیم نسواں:

اسلام سے قبل ساری دنیا میں عورت ذلیل وخوار تھی، ہر جگہ اس کی تحقیر کی جاتی تھی۔ عورت کے متعلق مختلف معاشروں میں نہایت پست خیالات رائج تھے، اس کو انسان سے فروتر سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کو انسانی حقوق حاصل نہیں تھے، وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی بلکہ ایک بے کس وبے سہارا مخلوق تھی۔ ایسے حالات میں اسلام نے آکر عورت کو قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ اس نے عورت کے متعلق معاشرے میں رائج تمام پست افکار وتصورات کو بیک جنبش قلم نیست ونابود کر دیئے۔

اسلام نے عورت کو مستقل بالذات شخصیت عطاء کی اور قرار دیا کہ عورت کسی مرد کا ضمیمہ نہیں ہے۔ شادی سے قبل بھی وہ عائشہ اور فاطمہ تھی اور شادی کے بعد بھی وہ عائشہ اور فاطمہ رہتی ہے۔ وہ اپنا تعارف عائشہ زوجہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں کراتی بلکہ عائشہ بنت ابی بکر سے کراتی ہے، اسی طرح فاطمہ زوجہ علی سے تعارف نہیں
کراتی بلکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کراتی ہے۔

اسلام نے مرد وعورت پر علم حاصل کرنا یکساں فرض قرار دیا ہے، حتی کہ لونڈیوں اور کنیزوں کے مالکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی کہ ان کو زیور علم سے آراستہ کریں۔ خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی حسب ذیل ہیں:

ارجعوا الیٰ اھلیکم ، فاقیموا فیھم ، وعلموھم، ومروھم۔ [۲۲]

ترجمہ: اپنے گھروں کو واپس جاؤ، اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہو، ان کو دین کی تعلیم دو اور ان سے احکام دینی پر عمل کراؤ۔

ایما رجل کانت عندہ ولیدۃ فعلمھا فاحسن تعلیمھا وادبھافاحسن ادبھا ثم اعتقھا وتزوجھا فلہ اجران۔[۲۳]

ترجمہ: جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو بہترین تعلیم دے اور بہترین آداب زندگی سکھائے، پھر اس کو آزاد کر دے اور خود اس کے ساتھ نکاح کرلے تو ایسے شخص کو دوہرا ثواب ملے گا۔

تعلیم اور آداب سکھا کر پہلے باندی کا معیار علم بلند کرے اور پھر خود ہی اس سے شادی کرلے یعنی اس کا معاشرتی معیار بلند کر دے تو اس نیکی پر اللہ تعالیٰ اس کو دوہرا ثواب دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تبلیغی پروگرام میں خواتین کی تعلیم کے لئے ایک دن مخصوص کر دیا تھا۔ اس دن صرف خواتین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتی تھیں اور ہر قسم کے سوالات دریافت کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی خواتین کی تعلیم

میں خصوصی دلچسپی لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری اسلامی مملکت میں مراسلہ جاری فرمایا تھا:

علموا نساء کم سورۃ النور۔[٢٤]

ترجمہ: اپنی خواتین کو سورہ نور کی تعلیم دو۔

اس لئے کہ اس سورۃ میں خانگی اور معاشرتی زندگی کے متعلق بہت سے احکام ہیں، ان احکام کو سیکھ کر خواتین معاشرتی زندگی کو نہایت نفاست سے مزین کر سکتی ہیں اور اسلامی معاشرے کو چار چاند لگا سکتی ہیں۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں لکھنے اور پڑھنے کے سلسلے میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی، خواتین لکھتی اور پڑھتی تھیں، کتابیں تصنیف اور تالیف کرتی تھیں۔ جب بیت المقدس اور شام کے علاقے میں عیسائی صلیبیوں کی حکومت (۴۹۳ھ-۵۸۳ھ) قائم ہوگئی تو بڑا اخلاقی فساد رونما ہوا، اس وقت کے محتسب عبدالرحمن شیرزی نے بہ نظر احتیاط خواتین کے لئے تحریر و کتابت کی ممانعت کر دی گئی۔ جب عالم اسلام پر کافر منگولوں کا غلبہ حاصل ہو گیا تو عورتوں کی عصمت وعفت خطرے میں پڑ گئی، تو بہ نظر احتیاط بعض علماء نے عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا پسند نہ کیا اور خواتین کی تعلیم کو بھی پسند نہ سمجھا۔ چنانچہ ملا علی قاری ہروی نے فتویٰ دیا کہ:

الکتابۃ جائزۃ السلف دون الخلف لفساد النسوان فی ھذا الزمان۔

ترجمہ: عورتوں کو لکھنا سکھانا پہلے زمانے میں جائز تھا لیکن اب عورتوں میں فساد اخلاق پیدا ہو چکا ہے، اس لئے اب لکھنا سکھانا ناجائز ہے۔

یہ فتویٰ احتیاط کے نقطہ نظر سے تھا، مگر متاخرین علماء نے اس پر سختی سے عمل کیا۔[25]

گزشتہ صدی میں عورتوں کی تعلیم اور کتابت کا مسئلہ شدت سے ابھر کر سامنے آیا۔ مولانا عبدالحئ لکھنوی فرنگی محلی نے اس سلسلے میں بصیرت افروز مجتہدانہ فتویٰ صادر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مستند حدیث میں یہ بات ملتی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیہ سے فرمایا، تم حفصہ کو اس طرح لکھنا بھی سکھادو جس طرح تم نے انہیں نملہ (پھنسیوں) کی پھونک سکھائی ہے"۔ اگر کسی مباح کام سے کوئی شخص غلط مقصد حاصل کرتا ہے تو وہ غلط کام ناجائز ہوگا نہ کہ فعل مباح۔ اس وقت تو اس فتوے کے خلاف بعض حلقوں میں بہت چہ میگوئیاں شروع ہوئیں لیکن

بالآخر مولانا عبدالحئ لکھنویؒ کے فتوے کو سب لوگوں نے تسلیم کر لیا۔[26]

لیکن موجودہ دور میں تعلیم نسواں کو وہ حیثیت نہیں دیا جا رہا جو اس کا حق اور ضرورت ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی بہن، بیٹیوں کو تعلیمی میدان میں وہ تمام سہولیات وضروریات فراہم کریں جن سے وہ ایک اعلی تعلیم یافتہ خاتون بن کر معاشرے اور نونہالان اسلام کو اعلیٰ مسلمان اور بہترین پاکستانی بنا سکیں۔

یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے موجودہ نظام تعلیم نے ہم سے وہ پاک باز اور نیک بیبیاں چھین لئے ہیں جن کی آنکھوں میں شرم اور دلوں میں پاکیزگی ہوتی تھی۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ملکی نظام تعلیم کو اس نہج پر دوبارہ استوار کیا جائے کہ عورتوں کو مردوں سے بات کرنے میں ناز و نخرے کے اظہار کے بجائے وقار و تمکنت اور قوت وطاقت کا اظہار ہو، تاکہ کسی کو مجال نہ ہو کہ ان کی نسبت غیر اخلاقی تصور کر سکیں۔ برائی کا آغاز اگرچہ مردوں کی جانب سے ہوتا ہے مگر اس کی ہمت افزائی ہمیشہ عورتوں کی جانب سے ہوتی ہے، آخر یہ پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے ہماری بہنوں، بیٹیوں کے تیور میں قوت ہو، انداز میں وقار ہو، گفتگو میں متانت اور پوری سنجیدگی ہو۔ آج کل اس کے بجائے عورتوں کو مردوں سے بات کرنے میں مسکراہٹ، شان تبسم اور بے حجابی کو اٹیکٹ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ طمع نفس کی پہلی منزل اور ہوا وہوس کی پرورش کے لئے پہلی مناسب فضا ہے، اور یہیں سے فساد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں گھر کی تربیت اولین شرط ہے، اس کے بعد نظام تعلیم بھی اتنی باپردہ و پرورده ہو کہ گھریلو تربیت خاک آلودنہ ہو، اور بہن بیٹی ایک مکمل اسلامی ماحول میں تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں۔

ریاست پاکستان میں نظام تعلیم:

تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ایک ایسی مملکت کے لیے، جس کا مقصد وجود اسلامی نظریہ وعلوم کا احیاء ہو اور ایسے معاشرے کی تعمیر کی تکمیل مد نظر ہو، جہاں

نبوی تعلیمات کی روشنی میں تعلیمی نظام کا جائزہ

اسلامی تعلیمات کے ماتحت عدل وانصاف، ثقافت ومعیشت، معاشرت وسیاست اور صنعت وحرفت کا فروغ ہو، تعلیم کو فروغ دینا ایک متوقع فریضہ تھا۔ لیکن افسوس کہ تعلیم اور خصوصاًوہ تعلیم جو ملک کے مقصد وجود کی تکمیل کرے کبھی لائق توجہ نہیں رہی۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ تعلیمی پالیسی جب بھی تشکیل دی گئی، اس میں مملکت کی نظریاتی اساس کا ذکر اور اس حوالے سے نصاب و نظام تعلیم میں اصلاح کا ذکر ضرور شامل کیا گیا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ ہمارے ہر دور کے حکمرانوں کا عمومی رویہ ہمیشہ سوتیلے پن کا رہا ہے۔ تعلیم کو بجٹ میں کبھی اہمیت نہیں دی گئی، اور جو رقم مختص بھی کی گئی اس کا مناسب استعمال کبھی بھی نہیں کیا گیا۔

ماضی کے المناک رویوں پر اظہار افسوس اپنی جگہ لیکن ہمیں بنیادی توجہ مستقبل کی تعمیر وترقی پر مرکوز کرنی چاہئے تا کہ ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کسی حد تک ممکن بنایا جاسکے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ ملکی نظام تعلیم کو اسلام اور ریاست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اصولوں کے مطابق جدید خطوط پر استوار کرنے اور ایک جدید وروشن خیال معاشرے کی تعمیر وترقی اور معیار تعلیم کی بہتری کے لئے نصاب پر نظر ثانی کیا جانا چاہئے۔ تعلیمی نظام کو متنوع بنانے کے لئے نصاب میں تبدیلی کرتے ہوئے (جو کہ ایک مسلسل عمل ہے) انفارمیشن ٹیکنالوجی کو متعارف کرواتے ہوئے، قرآن کریم کی تعلیمات اور اسلام کے بنیادی اصولوں کو نصاب کا لازمی حصہ بنادینا چاہئے۔

یہ ملک چونکہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے چنانچہ نظریاتی اساس کو نصاب میں صرف علامتی طور پر شامل نہ کیا جائے بلکہ اس کی بنیاد پر تمام نصابات کی ترتیب وتہذیب کا مکمل اہتمام کیا جائے۔ یعنی چاہے وہ سائنسی علوم ہوں یا عمرانی علوم، ہر ایک میں اسلامی اقدار وافکار اور آئیڈیلز کا دخیل ہونا ریاست کی نظریاتی اساس کا بنیادی ولازمی تقاضا ہے۔

تعلیم وتعلم، تہذیبی ورثہ اور فکر ومعاشرت کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کا ایک نمایاں ذریعہ ہے۔ اگر فیملی کے تمام افراد حصول روزگار میں مشغول ہو جائیں اور تعلیم سے ہدف بنایا جانے والا "مذہبی مواد" یعنی احترام جان ومال، احترام عقل وعدل، احترام قرابت، دوغلاپن، منافقانہ طرز عمل اور فاسقانہ طرزِ حیات وغیرہ کو نکال دیا جائے، اور پھر وحدانیت سے مزین تصورِ زندگی جو ہزار سجدوں کی جگہ صرف وَحْدَہٗ لَا شَرِیکَ کو سجدہ کرنا ہے، ان تمام امور کو معیشت ومعاشرت، سیاست وقانون اور تاریخ وثقافت سے نکال کر "دینیات" میں ڈال دیا جائے، تو کیا کسی کی زندگی کا کوئی معنی ومفہوم باقی رہ سکتا ہے، اور کیا ایسی تعلیم کسی معاشرے اور ریاست کو یکجا رکھ سکتی ہے؟ نہیں، کبھی نہیں۔

اس وقت زیادہ تر گفتگو کا محور نصاب ہے جس پر ماہرین تعلیم کا عالمی سطح پر یہ اتفاق ہے کہ اس کا براہ راست تعلق سٹینڈرڈز، ہسٹری وکلچر، قومی ہیروز، قومی مقاصد اور تہذیب وتمدن سے ہے۔ تعلیمی سٹینڈرڈز، ہسٹری وکلچر اور قومی ہیروز ہر نصاب کا لازمی حصہ ہوتے ہیں جو قومی اتحاد کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اسی سے قومیت کا تصور ابھرتا ہے، لیکن ہمارا معاملہ دوسروں سے کوسوں دور اور بہت ہی مختلف ہے۔ قومیت کی بنیاد نہ صوبہ ہے، نہ مقامی لباس وبول چال، نہ ذات وبرادری یا قبائلی تعلق، نہ رنگ ونسل اور نہ ہی زمین کی حدود بلکہ ہماری قومیت کی بنیاد صرف اور صرف دین اسلام اور اس عظیم دین کی بنیاد پر ترقی پانے والی تہذیب وثقافت ہے۔

ہماری مدنظر اس وقت اصل موضوع حقیقی اسلامی نظام تعلیم ہے، جو فرسودہ وناکارہ نظام تعلیم، انگریز سامراج نے ہمارے سر تھوپا ہے اس کی جگہ ایک باکردار نظام تعلیم جس میں اسلامی اقدار اور آئیڈیل سمو دیئے گئے ہوں، اس کا حقیقی نفاذ کیا جائے۔ یعنی ہمیں وہ نظام تعلیم درکار ہے جس میں ہر نوجوان کے لئے سیرت وکردار کا اعلیٰ ترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وحیات مبارک ہو۔ جب تک ہر شعبہ تعلیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر شخصیت کے تمام پہلو شامل نہیں کئے جاتے، اسلامیات کی کتاب میں صرف چند صفحات یا ایک دو باب یہ مقصد پورا نہیں کر سکتا۔

اگر ایک یا دو نہیں بلکہ درجنوں غیر مسلم مفکرین اس بات کے کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ: "انسانیت کے لئے سب سے زیادہ کامل ومکمل اور اعلیٰ مثال یا رول ماڈل اگر اس کائنات میں کوئی ہے تو وہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر شخصیت وحیات ہے"۔ پھر وہ لوگ جو کلمہ شہادت کے ذریعے

اپنے ایمان اور عقیدہ ختم نبوت پر یقین کا اعلان کرتے ہیں، ان کے علوم کی تعلیم و تعلم میں اس کو شامل نہ کرنا کیا اس اعلان وشہادت سے کھلا انحراف نہیں ؟ نہ صرف یہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا کسی بھی بڑے سے بڑے سائنسدان سے موازنہ نہ کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جگہ اس سائنسدان کا تذکرہ شامل کرنا، کیا انسانیت کی مفاد میں ہوگا؟ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت "کَآ فَّةً لِّلنَّاسِ" کے لیے "رحمت للعالمین اور بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

مزید یہ بدگمانی بھی قابل اصلاح طلب ہے کہ قرآن عظیم الشان کی تعلیمات صرف مسلمانوں کے لئے خاص ہیں، کیونکہ قرآن کا واضح اعلان "ھدی للناس" ہے۔ شریعت اسلامی یعنی ایمانداری و پاکبازی، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی، والدین کا احترام واطاعت صرف مسلم امہ کے لئے نہیں بلکہ یہ انسانیت کے وجود کے لئے ایک لازمی وضروری عنصر ہے۔ اس لئے اخلاق قرآنی یعنی معاشی ومعاشرتی اور سیاسی طرز عمل کو صرف مسلم تک محدود کرنا غیر مسلموں کے ساتھ تفریق، تعدی اور ان کے ابلاغی حقوق کی سنگین پامالی ہے۔ انہیں انسانیت کی بھلائی کے متفقی عالمی چارٹر اور رہنما اصولوں سے محروم رکھنا ظلم وزیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ حق وسچ ہر بنی نوع انسان تک پہنچے تاکہ وہ طے کرسکیں کہ اسے قبول کرنا ان کیلئے مفید ہے یا نہیں۔ لہذا اسے اسلامی اخلاق وسیرت سے لاعلم رکھنا ان کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور واضح ظلم کے مترادف ہے۔

آخر میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا "مذہبی مواد" کے بارے میں ان کے حقیقی تصور کو مغربی سامراجیت زدہ اذہان نے کتنی پیشہ وارانہ بددیانتی کے ساتھ قوم سے چھپائے رکھا گیا۔ قائداعظم کی نگاہ میں اسلام، صرف اسلامیات کی کتاب تک محدود نہ تھا، چنانچہ قائداعظم ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کے اپنے تحریر خطاب میں فرماتے ہیں کہ:

"وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔ آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے، جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس بات کو بالکل نہیں سراہتے۔ اسلام نہ صرف رسم ورواج، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے، بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی حیات اور اس کے رویہ بلکہ اس کی سیاست واقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔ یہ وقار، دیانت، انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے"۔[27]

خلاصہ بحث

قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ترقی کا سرچشمہ اور شہریت وتمدن کا منبع ہے۔ کوئی بھی شخص کون ومکان سے متعلق علوم کا کوئی ایسا شعبہ، ان سے متعلق کوئی ایسا واقعہ نہیں پائیں گے جو قرآن سے مستنبط نہ ہوتا ہو یا اس پر قرآن کی کوئی نہ کوئی آیت دلالت نہ کر رہی ہو۔ دور حاضر کے باشعور صاحب علم مسلمانوں نے اس پہلو کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے دور میں رائج تمام علوم اسلامی علوم ہیں، لیکن ہر علم کا رنگ الگ اور شکل جدا جدا ہے۔

قرآن وسنت ہمیں جدید علوم کے حصول سے نہیں روکتے، وہ ہم پر یہ قدغن نہیں لگاتے کہ ہم جدید دور کے تقاضوں کے مطابق علم حاصل نہ کریں، بلکہ ہمارا دین ہمیں ترقی کی راہوں پر آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ ہمیں تہذیب وتمدن کے ذرائع اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، البتہ دیگر اقوام کے برے اخلاق وآداب سے دور رہنے کا ضرور فرماتا ہے۔ رہے وہ علوم وفنون جو خلق خدا کی فلاح وبہبود سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام ان کے راستہ میں کسی قسم کی قطعا کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔

عالم کو چاہئے کہ مشکل اور مغلق مسائل دریافت کرکے اپنے ساتھیوں کو آزماتا رہے تاکہ ان کے ذہن مشکل امور کی وضاحت اور ناقابل حل نظر آنے والے مسائل کی گرہ کشائی کے لئے تیار ہوں۔

تعلیم میں تدریج پیش نظر رہے، آسان اور بنیادی باتوں سے بتدریج مشکل اور ضروری امور سکھائے جائیں۔ اسی کی طرف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ: وقال ابن عباس:(کونوا ربانیین) حکماء فقهاء، ویقال الربانی الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ۔[28]

ترجمہ: اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربانی علماء ہو جاؤ، فقہاء علماء بنو۔

ربانی وہ ہیں جو لوگوں کو بڑے علوم سے پہلے چھوٹے علوم کی تعلیم و تربیت دیتا ہے۔ چھوٹے علوم سے آسان اور واضح مسائل اور بڑے علوم سے دقیق مسائل مراد ہیں۔ یا کلیات سے پہلے جزئیات یا اصول سے پہلے فروع یا مقاصد سے پہلے اس کے مقدمات کی تعلیم دیتے ہیں۔

اساتذہ اپنے شاگردوں کے ذہن کا خیال رکھیں، تعلیم میں اس قدر انہماک اور شدت صحیح نہیں کہ طلباء کے دماغ تھک جائیں اور وہ اپنے اندر بے دلی اور کم رغبتی محسوس کرنے لگ جائیں۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے درس و مواعظ کے لیے ہفتہ میں صرف جمعرات کا دن مقرر کر رکھا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفلی عبادات اتنی نہ کی جائے کہ دل میں بے رغبتی اور ملال پیدا ہو۔ بہر حال اصول تعلیم یہ ہے کہ آسانی پیدا کی جائے اور مشکلات کا خاتمہ کیا جائے، اسی طرح بچوں بڑوں میں تعلیم کی رغبت پیدا کی جائے نہ کہ اسے متنفر کیا جائے۔

تعلیم کے میدان میں جس طرح مسلمان مردوں نے کارنامے سرانجام دئے ہیں، اسی طرح مسلمان خواتین نے بھی علمی کارنامے ضبط تحریر و تاریخ کئے ہیں۔ اب اسلامی تہذیب کی پروردہ خواتین کیسی ہوتی تھیں، یہ بات اب کتابوں میں ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ مغربی تہذیب کی یلغار نے وہ سانچے ہی توڑ ڈالے جہاں سے یہ پاک باز اور پاک نہاد خواتین ڈھل ڈھل کر نکلتی تھیں۔

مؤرخین عالم، اسلام کی سرعت فتوحات پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ اسلام اور ریاست مدینہ کی عمومی تعلیم کی تحریک کی سرعت رفتار پر انہیں اس سے زیادہ حیرت کا اظہار کرنا چاہیئے، جس نے قلیل سی مدت میں سارے عرب کو خواندہ بنا دیا۔

آغاز اسلام سے مسلمان مرد و خواتین تحصیل و اشاعت علم میں مشغول نظر آتے ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام علم کی مسند بچھائے درس و تدریس میں منہمک نظر آتے ہیں، اسی طرح صحابیات اور تابعیات بھی درس و تدریس میں مصروف نظر آتی ہیں۔ لیکن دور حاضر میں خواتین کے تعلیم و تعلم کے حوالے سے ہمارا رویہ بالکل بھی منصفانہ نہیں، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خواتین کے تعلیم و تعلم پر بھی بھرپور توجہ دیں اور ان کو معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے اور مستقبل کے نونہالان کی بہترین تربیت کی خاطر پڑھی لکھی "ماں" ان کو دے سکیں۔

مملکت خداداد پاکستان چونکہ ایک نظریاتی اساس کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے لہذا اس نظریاتی اساس کا تقاضا ہے کہ ملکی تعلیمی نصاب صرف اسلامیات کے کتاب یا علامتی نصاب تک محدود نہ کیا جائے بلکہ ملکی تعلیمی نصاب و نظام کو مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈال کر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان و معیار کے مطابق ترتیب دیا جائے، تاکہ مملکت کے ہر فرد میں اسلام و انسانیت نمایاں و نمودار ہو۔

مختصراً یہ کہ ایک اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کے حوالے سے اتباع کے قابل صرف عہد و سیرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد خلافت کے تعلیمی حالات و واقعات ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[١] حٰم السجده ٣١: ٣٢

[٢] الانعام٦: ٣٨

[٣] ابن جوزی،امام ابی الفرج جمال الدین عبدالرحمن علی بن محمد الجوزی القرشی البغدادی،زاد المسیر فی علم التفسیر،المکتب الاسلامی، بیروت،طبع الثانیۃ، ١۴٠٣ھ،تفسیر سورة الانعام الایۃ٣٨

[٤] النحل ١٦: ٨٩

[5] ترمذی، السنن، کتاب فضائل القرآن عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم، باب ما جاء فی فضل القرآن، عالم الکتب ، بیروت، رقم : ٢٩٠٦

[٦] النجم ٥٣: ٣

[٧] ابن ابو حاتم، ابو محمد عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن منذر بن داؤدبن مہران التمیمی الحنظلی، تفسیر ابن ابی الحاتم الرازی، مکتبۃ القدسي،القاھرۃ،١٣٥١ ھـ

[٨] البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری،قدیمی کتب خانہ،کراچی ، باب الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ ،رقم الحدیث: ١٣٠٢

[٩] البقره ٢: ١٧٧

[10] البقره٢:١٢٩

[١١] البقره٢:٢٦٩

[12] ابوعبدالله محمد بن یزید بن عبدالله ابن ماجہ القزوینی الربعی،السنن،مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ،کتاب الزھد باب الحکمۃ، رقم الحدیث:۴١٦٩

[13] ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قومی تعمیروزوال میں نظام تعلیم کا کردار، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدرآباد،٢٠٠٦ء، ص١٧١

[14] الانفال٨:۴٦

[١٥] ابومحمد عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل بن بہرام الدارمی،مسند الدارمی،مطبوعہ ھند، ١٣٢٧ھ، باب فضل العلم والعالم،ص ٥۴

[16] ابوعبدالله محمد بن یزید بن عبد الله ابن ماجہ القزوینی الربعی ،السنن،کتاب السنۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم الحدیث:٢٢٩

[17] الشیبانی، ابو عبدالله احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، عالم الکتب، بیروت، حدیث جابر ابن ثمره رضی الله عنہ، رقم الحدیث: ٢٠۴٥٠

[١٨] ایضا، حدیث حذیفہ بن الیمان رضی الله عنہ، رقم الحدیث:٢٢١٩٣

[١٩] البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری،قدیمی کتب خانہ،کراچی ،کتاب العلم، باب ماکان النبی صلی الله علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لا ینفروا

[20] ایضا،رقم الحدیث: ٦٩

[21] البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری ،کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ

[22] البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلواۃ

[23] ایضا، کتاب النکاح، ج٣،ص١٩٥

[٢٤] ابوعبدالله محمدبن أحمدبن أبي بكربن فرح الأنصاري الخزرجي الأندلسي،الجامع لأحكام القرآن،مؤسسۃ الرسالۃ، ١٣٢٧ھ،ص١٥٨

[25] پروفیسر سید محمد سلیم، مسلمان خواتین کی دینی اور علمی خدمات، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی، اشاعت سوم ٢٠٠٩ء، ص٢٠

[26] ایضا،ص٢١

[27] قائداعظم: تقاریروبیانات، ترجمہ: اقبال احمد صدیقی، بزم اقبال، جلد چہارم،١٩٩٦ء، ص۴٠٢-۴٠٣

[28] البخاری،ابو عبدالله محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب ماکان النبی صلی الله علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لا ینفروا